فصیح اللسان

خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ
(جامعہ ملیہ دہلی)

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں جب گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں تو میں امرتسر آیا اور مسجد خیر الدین میں مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے گیا تو وہاں پہلی مرتبہ حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری سے نیاز حاصل ہوا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے میرا تعارف ان سے کرایا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بالکل نوجوان تھے۔ ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بیس پچیس سال کے نوجوان ہیں۔ ملنے کے ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ تمہاری کتاب "بصائر" نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ یہ ملاقات چند لمحات سے زیادہ نہ تھی۔ میں پھر علی گڑھ واپس چلا گیا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ یہ ۱۹۲۱ء کی بات ہے اور میری یہ کتاب تمام ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ اس میں فرعون اور بنی اسرائیل کے واقعات قرآن کریم سے جمع کئے تھے۔ اور ترتیب اس طرح دی گئی تھی کہ پڑھنے والا فوراً یہ سمجھ جاتا تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ ہم مسلمانوں پر منطبق ہوتا ہے۔ یعنی فرعون کے فرائض انگریز ادا کر رہا ہے۔ اور ہم سب کے ساتھ وہی سلوک ہو رہا ہے جو بنی اسرائیل کے ساتھ فرعون کرتا تھا۔

اس ابتدائی ملاقات کے بعد موسم گرما اور موسم سرما کی تعطیلات میں وطن آتا جاتا رہا۔ اور کہیں نہ کہیں حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے نیاز حاصل ہو جاتے گورداسپور میں مرزا بشیر الدین محمود قادیانی کے ساتھ شاہ جی مرحوم کا مقدمہ چل رہا تھا۔ جب فیصلہ کا دن آیا تو میں بھی فیصلہ سننے والوں میں موجود تھا۔ شام کو مغرب کے بعد تمام مسلمانانِ گورداس پور نے جلسہ منعقد کیا جس کی صدارت کے فرائض میں نے ادا کئے۔ حضرت مرحوم نے کئی گھنٹہ تک بڑی بصیرت افروز اور دل آویز تقریر فرمائی۔

دسمبر کی تعطیلات میں مجھے ایک مرتبہ لاہور آنے کا اتفاق ہوا۔ موچی دروازہ کے باہر حضرت شاہ جی کی تقریر کا اعلان تھا۔ میں بھی تقریر سننے کے لئے گیا۔ عشاء کے بعد حضرت شاہ جی تقریر کے لئے کھڑے ہوئے میدان میں تِل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ فجر کی اذان پر تقریر ختم ہوئی۔ لطف یہ تھا کہ تمام رات اس سخت سردی میں لوگ بیٹھے غور سے سنتے رہے مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کوئی شخص بھی اٹھ کر جلسہ گاہ سے چلا گیا ہو۔

جولائی ۲۵ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ سے دہلی منتقل ہوا۔ میں نے قرول باغ گوردوارہ روڈ میں اپنا مکان بنایا تو اس کے سب سے پہلے مکین حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے وہ میرے پاس تین دن مہمان رہے۔ اس کے بعد بھی جب آپ دہلی تشریف لاتے تو میرے غریب خانہ پر ان کا پہنچنا ضروری تھا۔ ورنہ میں ان کے وعظ و ارشاد کی مجلس میں حاضر ہو جاتا۔

ایک مرتبہ میرے مکان پر ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں حضرت شاہ جی مرحوم کے علاوہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم، شیخ حسام الدین صاحب اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (شیخ الجامعہ) شریک تھے۔ قریباً

مغرب کی نماز تک مختلف تعلیمی مسائل پر بحث و مذاکرہ ہوتا رہا۔

جب حضرت شاہ جی ملتان جیل میں قید تھے مجھے خط بھیجا کہ جگر مراد آبادی مرحوم کا جتنا کلام مکتبہ جامعہ شائع کر چکا ہے سب میرے پاس قیمتاً بھیج دو۔ میں نے ان کے ارشاد کے مطابق حضرت جگر کا تمام کلام ہدیتہً ان کی خدمت میں ملتان بھیج دیا۔ آپ جب رہا ہو کر دہلی پہنچے تو جامعہ کے ہال میں انہوں نے دو گھنٹہ تک بڑی بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ اس جلسہ کی صدارت کے فرائض بھی میرے سپرد تھے۔ جلسہ گاہ میں تِل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ دہلی کے تمام چیدہ چیدہ حضرات موجود تھے۔

یہ غالباً میری آخری ملاقات تھی۔ میں نے شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ جیسا بہادر جاں باز اور حق پر ثابت قدم رہنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ انہوں نے حریت و آزادیٔ وطن کے لئے جو راہ اختیار کی مرتے دم تک اس پر ثابت قدم رہے۔ اور ایک انچ ادھر ادھر نہیں رہے۔ انکی تقریر ایسی دل آویز اور دل فریب ہوتی تھی کہ ان کا شدید ترین دشمن بھی جب جلسہ گاہ میں آجاتا تو جلسہ ختم ہوئے بغیر وہ اٹھنے کا نام نہیں لیتا تھا۔

حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک خصوصیت ایسی تھی جو میں نے کسی لیڈر میں نہیں دیکھی میں جب پہلی مرتبہ ان سے امر تسر میں ملا تو وہ نہایت فصیح اور بلیغ اردو میں باتیں کرتے تھے۔ میں یہ سمجھا کہ وہ دہلی یا لکھنو کے رہنے والے ہیں۔

پھر جب ایک مرتبہ موچی دروازہ کے باہر ان کی تقریر پنجابی زبان میں سنی تو مجھے اس بات کا یقین کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی کہ وہ لاہور یا امر تسر کے رہنے والے ہیں۔

ایک مرتبہ میں نے ان کو بہاریوں کے مجمع میں گفتگو کرتے دیکھا۔ تو مجھے اپنا ہی خیال بدلنا پڑا اور یہ یقین کرنے پر مجبور ہو گیا کہ وہ خالص بہاری ہیں۔ ان کے لب و لہجہ سے بالکل شبہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ بہار کے رہنے والے نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا جو صرف انہیں کے حصہ میں آیا تھا۔

آج وہ بلبل ہزار داستان ہم میں موجود نہیں مگر ان کی یاد ہر دل میں تازہ ہے۔ اور تازہ رہے گی۔

اللہم اعقرلہ آمین و حسرتا

مقام انبیاء

انبیاء۔۔۔۔

نہ آتے تو

کائنات

ایک ایسی کتاب ہوتی جس کے ابتدائی اور آخری صفات کھو گئے ہوں۔

یہ چیز انبیاء ہی کی معرفت بنی نوع انسان کو ملی ہے کہ انسان اور اس کے رب کے مابین کیا رشتہ ہے۔

امیر شریعت